حامدی صاحب کے تحریکی سفر کی داستان

(بہ شکل خطوط بنام قاری منہاج الدین صاحب)

از مولانا خلیل حامدی ڈائریکٹر ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ لاہور

(۳)

ماریشس کی ڈائری پہلے تین قسطوں میں بھیج چکا ہوں۔ درمیان میں اسمرا (اریٹیریا) میں اپنے مختصر قیام پر مشتمل ایک خط بھیج چکا ہوں۔ امید ہے مل گیا ہوگا۔ اب ماریشس کی ڈائری کی آخری قسط ارسال کر رہا ہوں۔ اس کے بعد انشاء اللہ دارالسلام تنزانیہ کے بارے میں لکھوں گا۔

گاندھی انسٹی ٹیوٹ

۱۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کو محمد حسین دھال صاحب مجھے اور جناب ملک محمد حسین صاحب کو گاندھی انسٹی ٹیوٹ دکھلانے کے لیے لے گئے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ شہر سے باہر نہایت پُرفضا جگہ پر واقع ہے۔ بڑا وسیع و عریض رقبہ اس کے تصرف میں ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کی تعمیر میں حکومتِ ہند نے بڑا خرچ کیا ہے، بلکہ اب بھی اس کے مصارف کا اسّی فیصد بھارتی حکومت برداشت کرتی ہے۔ اسے ماریشس میں ہندو کلچر کی اشاعت و ترویج اور علی الخصوص گاندھی کی تعلیمات فروغ دینے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کا معیار انٹرمیڈیٹ کا ہے۔ سیکنڈری کالج کی عمارت بڑی عالیشان ہے۔ آڈیٹوریم بھی فنِ تعمیر کا نہایت کامیاب نمونہ ہے۔ آڈیٹوریم کے سامنے پتھروں کے ڈھیر پر گاندھی جی کا مجسمہ رکھا ہوا ہے جسے حسبِ عادت ننگ دھڑنگ دکھایا گیا ہے۔ ہم لوگ سیدھے انسٹی ٹیوٹ کی لائبریری کی طرف چلے گئے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی بلڈنگ میں واقع ہے۔ لائبریری کے ڈائریکٹر بارک صاحب نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ ابتدائی بات چیت کے بعد ہم لائبریری کے اندر رکھا ہوا کتابوں کا ذخیرہ

دیکھنے کے لیے اُٹھے۔ اُردو اور عربی سیکشن کے انچارج ایک مسلمان نوجوان ہیں جن کا نام احمد قاسم ہیرا ہے۔ لائبریری میں انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ہندوستان کی تاریخ و تہذیب پر ہر طرح کی کتاب موجود ہے۔ اور شاید اس موضوع سے متعلق کوئی اہم کتاب ایسی نہ ہوگی جو اس ذخیرے میں موجود نہ ہو، البتہ اُردو ذخیرہ بہت کم ہے۔ زیادہ تر اُردو کتابیں بھارت کی چھپی ہوئی ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تصانیف بھی موجود ہیں۔ احمد قاسم ہیرا صاحب نے مولانا کی تمام کتابیں فراہم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ انھوں نے بتایا کہ بہت سے حضرات ان اردو کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہاں کے نوجوانوں کے اندر اسلامی لٹریچر کی مانگ موجود ہے۔

لائبریری کے اندر ہندو لڑکے اور لڑکیاں بیٹھے خاموشی کے ساتھ مطالعہ و تحقیق میں مصروف تھے۔ سٹاف میں بھی بہت سی ہندو لڑکیاں نظر آئیں۔ احمد قاسم ہیرا صاحب نے بتایا کہ اس انسٹی ٹیوٹ میں اُردو زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اُردو زبان کا کورس خود ہیرا صاحب اور ان کے ایک دوست نے مل کر تیار کیا ہے۔ اس کورس کا ایک مکمل سیٹ انھوں نے ہمیں فراہم کیا۔ اور چلتے ہوئے انھوں نے مزید تاکید کی کہ میں انھیں خاص طور پر تفہیم القرآن کے اُردو اور انگریزی سیٹ لائبریری کو بھیجوں۔

راقم نے گو انسٹی ٹیوٹ کا نہایت مختصر تعارف کرایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ادارہ انڈین اوشن کے اندر بھارت کے سیاسی افکار کی ترویج کا اہم ادارہ ہے۔ اس سے نہ صرف ماریشس کے اندر ہندو تہذیب اور ہندو نظریات کی اشاعت کی جاتی ہے، بلکہ بحرِ ہند کے دیگر جزائر ری یونین، مڈغاسکر، سیشلز اور کمورو تک اس کے اثرات پھیل رہے ہیں۔ تعلیم و تربیت اور تحقیق ان تینوں ذرائع کو انسٹی ٹیوٹ اپنے مقاصد کے لیے بڑے سلیقے اور منصوبہ بندی کے ساتھ بروئے کار لا رہا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں مسز اندرا گاندھی نے اس کے ایک سیکشن کا افتتاح کیا تھا۔ ان کے نام کی تختی سے یہ بات معلوم ہوئی۔

ماہی بورگ کا وفد انسٹی ٹیوٹ سے فارغ ہو کر موبا واپس آئے تو "ماہی بورگ" MAHE BOURG کے رفقا کا ایک وفد مولانا جمیل احمد صاحب کی قیادت میں آیا ہوا تھا۔ یہ حضرات ہمیں ماہی بورگ

لے جانا چاہتے تھے - وہاں انہوں نے مقامی نوجوانوں کا ایک اجتماع بُلا رکھا ہے - موباسا سے ماہی پور زیادہ دُور نہیں ہے، مگر مولانا جمیل احمد صاحب نے ساحل سمندر کا طویل راستہ لے لیا، تاکہ ہم لوگ راستے کے شہر اور بستیاں دیکھ لیں - چنانچہ ہم ساحل ساحل ماہی پور روانہ ہوگئے - اس میں کوئی شک نہیں کہ جزیرہ ماریشس بڑا سرسبز و شاداب ہے - رنگ برنگ کے درختوں اور پھولوں نے پورے جزیرے کو ڈھانپ رکھا ہے -

پامپلے موسس گارڈن راستے میں ہم لوگ کچھ دیر کے لیے ماریشس کے مشہور گارڈن پامپلے موسس (PAMPLE MOUSSES) میں ٹھہر گئے - یہ گارڈن دُنیا کے مشہور ترین گارڈنز میں سے ہے - مولانا جمیل احمد صاحب جو ماریشس کی تاریخ اور ماریشس کے چپے چپے کے پوست کندہ حالات جانتے ہیں، بتانے لگے کہ یہ گارڈن فرانسیسی دَور میں ایک فرانسیسی گورنر نے لگوایا تھا اور اسی کے نام سے موسوم ہے - اس کا رقبہ ایک سو ایکڑ ہے - فرنچ گورنر باغبانی کا ماہر تھا - اُس نے نہ صرف یہ باغ لگوایا، بلکہ اُس نے پہلی مرتبہ ماریشس کے اندر گنے کی کاشت کی - اور یہی گنا آج ماریشس کی سب سے بڑی دولت بنا ہوا ہے - باغ کے بیچ میں اس فرانسیسی گورنر کا محل بھی ابھی تک موجود ہے - گارڈن میں ہر نوع کا درخت موجود ہے - بیگان دیلی اور کنول کے پھول بڑی بہار دکھا رہے ہیں - آم، لیچی، ناریل، بانس اور پام روز کے درختوں نے بڑا دلکش منظر پیدا کر رکھا ہے -

ماہی پور میں تحریکِ اسلامی ماہی پور کے حضرات دوپہر کا کھانا ماہی پور سے ہی ساتھ لے آئے تھے - چنانچہ ہم نے اس مشہور تاریخی باغ میں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھایا - ماہی پور کے یہ حضرات اپنے علاقے میں تحریکِ اسلامی کے نہایت فعّال کارکن ہیں - خود مولانا جمیل احمد صاحب بڑے صاحبِ علم و فضل آدمی ہیں - اصل میں ان کا تعلق صوبہ سرحد کے علاقے سوات سے ہے - ان کے والد مرحوم مولانا ایوب احمد ۱۹۰۵ء میں ماریشس میں آئے تھے اور پھر یہاں ہی بس گئے - ان کے ساتھ صوبہ سرحد کے دو اور علماء تھے مولانا لطف الرحمان اور مولانا محمد اسماعیل - مولانا جمیل احمد کی ابتدائی تعلیم و تربیت ماریشس میں ہوئی - ۱۹۵۰ء تک یہ انگریزی فوج کے ساتھ مصر میں رہے - پھر واپس ماریشس آگئے - جدہ یونیورسٹی

سے عربی زبان کا دو سالہ کورس بھی کر آئے ہیں۔ اُردو زبان نہایت فصاحت کے ساتھ بولتے ہیں۔ مولانا مودودی مرحوم کے ساتھ بھی ان کی مراسلت رہی ہے۔ موصوف اب ماہی پور اور اُس کے اِردگرد کے قصبوں اور قریوں میں تحریک اسلامی کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ ماہی پور کے ایک سکنڈری کالج میں پڑھاتے ہیں اور ماہی پور کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ بھی دیتے ہیں۔

پامپلے موسس کے گارڈن میں جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو مولانا جمیل احمد صاحب خود اپنی داستان بھی بیان کر رہے تھے اور خاکسار سے بھی مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و سوانح دریافت کر رہے تھے۔ موصوف مولانا مرحوم کے عام معمولات سے لے کر ان کے سیاسی کردار تک کے بارے میں سوالات کرتے جا رہے تھے۔ اس طرح ہماری یہ محفل صرف کھانے تک محدود نہ تھی، بلکہ دعوت اور دعوتی تاریخ کا ہلکا پھلکا اجتماع بن گئی۔

دیہی آبادی پر ایک طائرانہ نظر

کھانے سے فارغ ہو کر ہم اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ پورا علاقہ آباد ہے۔ باغات ہیں اور گنے کے کھیت۔ ایک طرف سمندر اور اُس کی اُمڈتی ہوئی موجیں جو کنارے سے ٹکرا کر واپس ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف سبزہ و گل۔ یہ دلکش و نظر افروز مناظر دُنیا میں کم ملتے ہیں۔ راستے میں ایک قصبے میں سڑک کے کنارے ہی ایک مسجد مل گئی۔ وہاں ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔ یہ مسجد بھی پورٹ لوئس، بوباسا، روز ہل اور کیور پیپ کی مساجد کی طرح نہایت صاف اور آرام دہ ہے۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک قبر ہے۔ ایک مقامی آدمی نے بتایا کہ یہ قبر اُس شخص کی ہے جس نے اِسی مسجد میں ۷۰ سال تک اذان دی ہے۔ اس کا نام قدرت الٰہی ہے۔

راستے میں جتنے قصبے اور بستیاں ملی ہیں، یہ آبادی کے لحاظ سے ملی جُلی ہیں۔ ان میں ہندو بھی آباد ہیں اور مسلمان اور عیسائی بھی۔ ہر بستی میں ایک مسجد، ایک مندر اور ایک چرچ ضرور ملے گا۔ مسجد کی شان ان تمام عبادت گاہوں سے نرالی ہے۔ مندر میں بھی کبھی کبھار پوجا پاٹ ہوگی، چرچ بھی ہفتے میں ایک دن اپنا گھڑیال بجائے گا، مگر مسجد سے پانچ وقت لاؤڈ اسپیکر سے اذان ہوگی اور بستی کے مسلمان اس کا رُخ کر رہے ہوں گے۔ پیچھے عرض کر چکا ہوں کہ مارشس

میں کل ۱۲۰ قصبے اور بستیاں ہیں اور ۱۰۱ مساجد۔ خاکسار نے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کی مساجد کو بھی نہایت خوبصورت، صاف اور آرام دہ پایا ہے۔ آرام دہ کا لفظ میں مساجد کے لیے اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ ہر مسجد کے باہر دروازے پر سیمنٹ کے بنچ رکھے ہوتے ہیں، لوگ ان پر بیٹھ کر اپنے بوٹ کھولتے اور جرابیں اتارتے ہیں اور پھر بوٹ وہیں رکھ جاتے ہیں۔ وضو کے لیے بھی نشستوں کا انتظام ہوتا ہے۔ اسی طرح مسجد کے اندر نرم نرم قالین بچھے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آرام بھی کرنا چاہے تو بڑی خوبی سے اپنا وقت گزار سکتا ہے۔

فلاک کی مخلوط آبادی اور مسلمان ساحل کے ساتھ ساتھ ہم جا رہے ہیں۔ ہمارا رخ فلاک (FLACQ) کی طرف ہے۔ یہ ماریشس کے شمال مشرق میں ہے اور مرکزی مقام ہے۔ یہاں مسلمانوں کا اچھا جمگھٹا ہے۔ فلاک سے پہلے جتنی آبادی دیکھی تھی اس میں اکثریت مدراسیوں کی نظر آئی۔ یہ مدراسی ٹامل بولتے ہیں۔ ان کے مرد کوٹ اور پتلون پہنتے ہیں اور ان کی عورتیں اپنا روایاتی لباس پہنتی ہیں، جس میں جسم کا اکثر و بیشتر حصہ ساتر رہتا ہے۔ افریقی اور چینی عورتیں دیہاتوں میں بھی اسکرٹ پہنتی ہیں۔ مسلمان مردوں کا لباس تو پتلون اور قمیص ہوگا، البتہ مسلمان عورتیں اکثر و بیشتر شلوار اور پاجامے میں ملیں گی۔ اونچی ذات کی ہندو لڑکیاں مغربی لباس اختیار کر چکی ہیں۔ دوسروں سے امتیاز کے لیے وہ پیشانی پر تلک لگا لیتی ہیں۔ گویا ماریشس کا معاشرہ ایک عجیب ملغوبہ ہے۔ مختلف مذاہب اور تہذیبیں جمع ہو چکی ہیں جو ایک دوسرے سے ممیّز بھی رہنا چاہتی ہیں اور باہم مل کر بھی۔

ماریشس اور ہانگ کانگ ہمارے مولانا جمیل احمد صاحب اس معاشرے کی نفسیات اور تاریخ سے خوب واقف ہیں۔ راستے میں لکڑی کے کھوکھوں جیسے گھر دیکھ کر جب میں نے مولانا سے سوال کیا کہ کیا یہ غربت کی نشانی ہے تو مولانا نے بتایا کہ یہ مدراسی اور افریقی نسل کے لوگ ہیں۔ ماہی گیری ان کا پیشہ ہے اور روزانہ جو کمائی کرتے ہیں شام کو شراب پی کر اُڑا دیتے ہیں، اس لیے یہ ترقی نہیں کر سکتے۔ ماریشس کے سابق وزیراعظم رام غلام کا چالیس سالہ دور مولانا کی نظر سے گزرا ہے، اس لیے مولانا کسی حد تک رام غلام کے دور کو سراہتے ہیں۔ موصوف نے بتایا کہ ماریشس میں اس وقت ۲۵۰ فیکٹریاں اور کارخانے ہیں۔ ان

میں ۳۰ ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ کپڑے کی مل ایک پاکستانی کے ہاتھ میں ہے۔ مارشس کی چینی اور کپڑا دنیا کے اندر مشہور ہے۔ مارشس کا کل رقبہ ۵۰۰ مربع میل ہے۔ مارشس کی کل گولائی ۱۲۰ میل ہے۔ صنعت میں ہندو اور چینی پیش پیش ہیں۔ تیسرے درجے پر مسلمان ہیں۔ مولانا نے بتایا کہ ہانگ کانگ کے تاجر مارشس کو اپنا مستقبل کا مرکز بنا رہے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۹۶ء میں انگریزی اقتدار ہانگ کانگ میں ختم ہو جائے گا اور کمیونسٹ چین ہانگ کانگ پر قابض ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں ہانگ کانگ کی پوری صنعت و تجارت متاثر ہوگی۔ اسی لیے ہانگ کانگ کے صنعت کار اور تاجر ابھی سے انڈین اوشن کے جزائر کا رخ کر رہے ہیں اور سب سے بہتر جزیرہ اُن کی نظر میں مارشس ہے۔ چنانچہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی ساری انڈسٹری مارشس میں چینی دور سے پہلے پہلے منتقل کر لیں۔ یہاں کی حکومت بھی ان کا خیر مقدم کرے گی۔ مولانا جمیل احمد صاحب مارشس کے مستقبل کا جائزہ دراصل اس نقطۂ نظر سے لے رہے ہیں کہ آئندہ یہاں اسلام کا کیا کردار ہوگا۔ بہرحال موصوف آنے والے دور پر مطمئن تھے۔ ان کا خیال ہے یہاں اسلام کا مستقبل روشن ہے، البتہ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس کے لیے پیشگی منصوبہ بندی کی جائے اور اس کے مطابق کام کیا جائے۔

تفرقہ بازی اور نئی نسل خاکسار نے سوال کیا کہ "گڑھی شاہو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے والے" بزرگ جو یہاں آتے ہیں، ان کے اثرات کا کیا حال ہے۔ مولانا جمیل احمد صاحب نے بتایا کہ ایک وقت ایسا تھا کہ ان صاحب نے وہابی اور لہابی (ابولہب کی نسبت) کی اصطلاحیں یہاں کثرت سے پھیلائیں اور ہر سنجیدہ اور صحیح الفکر مسلمان ان اصطلاحوں کی زد میں آیا، مگر اب نئی نسل باشعور ہے۔ اس نسل کے اندر ان کے اثرات بہت سکڑ گئے ہیں۔ جہاں پہلے ان کی خاطر ہزاروں لوگ جمع ہوتے تھے اب چالیس اور پچاس سے زائد جمع نہیں ہوتے۔

ماہی بور میں تحریک اسلامی کا کام عصر کی نماز ہم نے ماہی بور میں آکر ادا کی۔ ماہی بور مارشس کے جنوب مشرق میں واقع ایک قصبہ ہے۔ اس کی آبادی ۲۰ ہزار ہے۔ اس میں مسلمان ۳ ہزار

کے لگ بھگ ہیں۔ یہاں تحریکِ اسلامی کے پرانے رفیق جناب عبدالرشید صاحب ہیں۔
ان کا تمام گھرانہ خدا کے فضل سے تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہے۔ پورٹ لوئس، واکوا،
روز بل اور روباسا کے بعد اسلامک سرکل کا یہاں کافی اچھا کام ہے۔ عبدالرشید صاحب
کی ایک صاحبزادی ریاض (سعودی عرب) کے گرلز کالج سے تعلیم حاصل کر کے آئی ہیں۔
وہ فرنچ، انگریزی اور اُردو کے ساتھ ساتھ اب عربی زبان میں اور اسلامی علوم میں بڑی
قدرت اور مہارت رکھتی ہیں۔ لڑکیوں کے اندر تحریکِ اسلامی کا کام انہوں نے شروع کر
رکھا ہے۔ ماریشس سے پانچ لڑکیاں ریاض کے گرلز کالج میں داخل ہوئی ہیں، ان میں سے
چار فارغ ہو کر آگئی ہیں اور پانچویں لڑکی اس سال فارغ ہو کر آجائے گی۔ فارغ ہو کر آنے
والی لڑکیوں میں سے ایک عبدالرشید صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ عبدالرشید صاحب
کی ایک صاحبزادی کی شادی جزیرہ ریئنیوں میں ہوئی ہے۔ ان کے خاوند کا نام قاضی ابراہیم
ہے۔ قاضی صاحب بھی تحریکِ اسلامی کے بڑے ہمدرد ہیں اور جزیرہ ریئنیوں میں اپنی
تجارتی سرگرمیوں کے ساتھ تحریک کا کام بھی کر رہے ہیں۔ ماہی پور میں داخل ہونے کے
بعد سب سے پہلے ہم عبدالرشید صاحب کے گھر گئے۔ وہاں کچھ دیر کے لیے آرام کیا۔
عبدالرشید صاحب کے گھر میں تحریکِ اسلامی کا ضروری لٹریچر موجود ہے۔ عبدالرشید صاحب
نے بتایا کہ ہم لوگ یہاں رہتے ہوئے جو کچھ اُردو زبان جانتے ہیں وہ تفہیم القرآن کا فیضان
ہے۔ ہم سب اہل خانہ اس کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ مطالبِ قرآن کے ساتھ ہمیں
تفہیم القرآن سے اُردو زبان سیکھنے اور بولنے کی مشق بھی ہو جاتی ہے۔

اسلامی دعوت پر تقریر نمازِ عصر ماہی پور کی جامع مسجد میں ادا کی۔ یہ مسجد دراصل اسلامک سرکل
کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ مسجد نہایت وسیع اور کشادہ ہے۔ مسجد کے ساتھ ایک لائبریری
بھی ہے جس میں جماعت اسلامی کا پورا لٹریچر موجود ہے۔ ہفتے میں چار دن مرد یہاں مطالعہ
کرتے ہیں اور دو دن عورتیں اس لائبریری سے استفادہ کرتی ہیں۔ ایک دینی درس گاہ
بھی زیرِ تعمیر ہے جو چند ماہ تک مکمل ہو جائے گی۔ اس درس گاہ میں دینی علوم اور عربی
زبان کی تعلیم دی جائے گی۔

نمازِ عصر کے بعد مسجد کے اندر اجتماع شروع ہوا۔ خاکسار نے اسلامی دعوت کے موضوع پر تقریر کی۔ آخر میں پاکستان میں تحریکِ اسلامی کی سرگرمیوں اور افغانستان میں جہاد کی صورتِ حال پر بھی روشنی ڈالی۔ ماہی بور کی مسجد میں خواتین کے لیے بھی باپردہ نماز اور دیگر اجتماعات میں شرکت کا انتظام ہے۔ آج کے اجتماع میں خواتین بھی شریک ہیں۔ میرے بعد ملک محمد حسین صاحب نے تقریر کی۔ عام حاضرین نے اُردو میں ہماری تقاریر سمجھ لیں، لیکن ایک قلیل تعداد ایسی تھی جو اُردو نہیں سمجھتی تھی، ان کے لیے مولانا جمیل احمد صاحب نے کریولی زبان میں تقاریر کا خلاصہ پیش کر دیا۔

سوالات تقاریر کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سوالات زیادہ تر مقامی معاشرتی حالات سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً یہ سوال کہ مسلمان کا جنازہ ہندو اُٹھا سکتا ہے یا نہیں، ہندو قرآن کو ہاتھ لگا سکتا ہے یا نہیں، مخلوط معاشرے میں دعوتِ اسلامی کا کام کیسے کیا جائے۔ مغرب کی نماز تک سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع رہا۔ حاضرین نے اس سلسلے میں بڑی دلچسپی لی۔ اندازہ ہوا کہ یہاں کا نوجوان تحریکِ اسلامی سے کافی متاثر ہے۔ بعض نوجوانوں نے اپنی اس شدید خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پاکستان آکر تحریکِ اسلامی کی تربیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

پورٹ لوئس کی مساجد میں تقریریں ماہی بور کا سفر نہایت معلومات افزا رہا اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس دُور دراز جگہ پر بھی اللہ کے بندے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور نوجوان نسل کی صحیح اسلامی تربیت میں لگے ہوئے ہیں۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم واپس موبا سا چل دیئے۔ اب ہمارے رفقاء نے طویل راستہ اختیار کرنے کے بجائے مختصر راستہ اختیار کیا۔ دو گھنٹے کے بعد ہم کیورپیپ (CUREPIPE) پہنچ گئے۔ یہ شہر ماریشس کا دوسرا صدر مقام کہلاتا ہے۔ راستے میں ایک مسجد میں نمازِ عشا ادا کی۔ یہ ماریشس کی بڑی نمایاں خوبی ہے کہ سڑکوں پر سفر کرتے وقت راستے میں جگہ جگہ مسجدیں مل جاتی ہیں۔

۱۶ دسمبر ۱۹۸۳ء جمعۃ المبارک کا دن ہے۔ اسلامک سرکل کے منتظمین نے ہم دونوں کی دو مختلف مسجدوں میں تقریروں کا انتظام کر رکھا ہے۔ ملک محمد حسین پورٹ لوئس میں مرکزی مسجد

میں خطبۂ جمعہ دیں گے اور خاکسار پورٹ لوئس کی مسجد نورالاسلام میں۔ مرکزی مسجد میں تبلیغی جماعت زیادہ تر سرگرم کار رہتی ہے، البتہ مسجد نورالاسلام اسلامک سرکل کے زیر اثر ہے۔ یہاں امامت وخطابت کے فرائض مولانا مصطفیٰ بہاری صاحب دیتے ہیں۔ موصوف ۵۵ یا ۶۰ سال کے ہوں گے، لیکن بڑے خدا ترس اور بے نفس انسان ہیں۔ امامت وخطابت اور تعلیم و تدریس کا تمام کام رضاکارانہ کرتے ہیں۔ ان کاموں کو انہوں نے قطعاً کسبِ دُنیا کا ذریعہ نہیں بنایا۔ مسجد نورالاسلام بڑی پُررونق مسجد ہے۔ بڑی کشادہ۔ ساتھ ایک اچھی لائبریری بھی ہے، جس میں عربی، اُردو اور انگریزی و فرانسیسی زبانوں میں اسلامی کتابوں کا مناسب ذخیرہ ہے۔ نوجوان ان کتابوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ مولانا مصطفیٰ بہاری ایک اسلامی تنظیم کے بھی نگران ہیں جس کا نام اسلامک مشن ہے۔ یہ تنظیم بھی ماریشس میں تحریکِ اسلامی کا ایک حصہ ہے۔ مولانا مصطفیٰ بہاری صاحب بڑے فعال اور بااثر انسان ہیں۔ اسلامک مشن کے ذریعے نوجوانوں کے اندر کام کر رہے ہیں۔ فرانسیسی اور انگریزی زبان میں (LE CROISSANT) (النشاۃ ثانیہ) کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار بھی نکالتے ہیں۔

مسجد نورالاسلام میں تقریر خاکسار نے مسجد نورالاسلام میں نماز جمعہ کے موقع پر خطاب کیا۔ اس خطاب میں اسلام کے تقاضے اور مسلمان کے فرائض کے موضوع پر تقریر کی۔ ماریشس میں اپنے چند روزہ مشاہدات کی روشنی میں مسلمانانِ ماریشس کو چند مشورے پیش کیے جن میں بچوں اور خواتین کی اسلامی تعلیم، باہمی اتحاد اور غیر مسلم آبادی کے اندر قول و عمل کے ذریعے اسلام کی تبلیغ شامل تھی۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ نمازیوں کی اتنی بڑی تعداد پاکستان کی مساجد میں بھی کم نظر آتی ہے۔ اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ حاضرین اذانِ جمعہ کے بعد فوراً پہنچ جاتے ہیں اور جب خطیب اپنی تقریر شروع کرتا ہے تو اُس وقت مسجد بھر چکی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کے لوگ مسجدوں کے اندر اہلِ علم و دعوت کی باتیں سُننے کا شوق رکھتے ہیں جب کہ پاکستان میں یہ افسوسناک بات دیکھنے میں آتی ہے کہ عام نمازی محض اُس وقت مسجد میں داخل ہوتے ہیں جب خطیب اپنی تقریر سے فارغ ہو کر عربی خطبہ دینے

لگتا ہے یا نماز قائم کرنے کے قریب ہوتا ہے۔

بحرِ ہند کے جزائر ۱۷ دسمبر کو خاکسار تنزانیہ کے دارالحکومت دارالسلام روانہ ہوگیا۔ آئندہ خط میں میں انشاءاللہ دارالسلام کے حالات پر مشتمل اپنے خیالات پیش کروں گا۔ ماریشس کے حالات ختم کرتے ہوئے آخر میں میں انڈین اوشن کے جزائر کا مختلف تعارف کرائے دیتا ہوں:

ماریشس

رقبہ: ۷۵۰ مربع میل

آبادی: ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق نو لاکھ ستر ہزار۔

صدر مقام: پورٹ لوئس (آبادی ایک لاکھ ۴۵ ہزار)۔

زبان: سرکاری زبان انگریزی۔ مروجہ زبانیں: کریولی، ہندی، اردو، چینی، ٹامل، تلگو اور مرہٹی۔

تعلیمی تناسب: ۶۰ فیصد (۱۹۸۱ء کی شماریات کے مطابق)

اسلامی تحریک: اسلامک سرکل، سٹوڈنٹ اسلامک موومنٹ، اسلامک مشن۔

ووٹر کی عمر: ۱۸ سال۔

مڈغاسکر

عنوان: ڈیموکریٹک ریپبلک آف مڈغاسکر۔

رقبہ: ۵۸۷۰۴۱ مربع کلومیٹر۔

آبادی: ۸½ ملین (۱۹۸۰ء کی مردم شماری کی رو سے)۔

صدر مقام: انتاناناریو (ANTANANARIVO)

زبان: سرکاری زبان فرنچ اور مالاگاسی۔

صنعت: آئیل ریفائنری، شوگر، گوشت، مچھلی، پھل اور پھلوں کا جوس۔

خواندگی: ۵۰ فی صد (۱۹۷۹ء کی شماریات کے مطابق)۔

ووٹر کی عمر: ۱۸ سال

تاریخ: مڈغاسکر کی تاریخ اور ثقافت ۲ ہزار سال سے ہے جب یہاں ملایا کے باشندے آکر آباد ہوئے۔ دوسری نسلیں بہت بعد میں آئیں۔ ۱۹ ویں صدی کے آغاز تک یہاں کا رسم الخط عربی تھا۔ ۱۸۹۶ء میں فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ کیا۔ ۱۹۶۰ء کو مڈغاسکر آزاد ہو گیا۔

اسلامی تحریک: یہاں اسلامی تحریک کے محدود اثرات ہیں۔ سنٹرل اسلامک سٹوڈینز آف مڈغاسکر یہاں کی اسلامی تنظیم ہے۔ مولانا بسم اللہ صاحب یہاں کی اسلامی تحریک کی ایک نمایاں شخصیت ہیں۔

ری نیون:

اس جزیرے میں دس ہزار کے قریب مسلمان آبادی ہے۔ ماریشس کی سٹوڈنٹ اسلامک موومنٹ نے یہاں اپنی برانچ قائم کر رکھی ہے۔ ۱۹۸۴ء آئندہ اپریل ۱۹۸۴ء میں یہاں اپنا تربیتی کیمپ لگائے گی۔

سیشلز

حکومت: ری پبلک آف سیشلز۔

رقبہ: ۴۰۴ مربع کلومیٹر

آبادی: ۵ لاکھ ۱۱ ان میں ۲۸ ہزار بیرونی ممالک کے ہیں (مسلمانوں کی تعداد یہاں بہت کم ہے)۔

خواندگی: ۸۵ فی صد۔

تاریخ: اٹھارھویں صدی کے آخر میں یہاں فرانسیسی آئے۔ ۱۸۱۴ء میں اس پر برطانیہ نے قبضہ کر لیا۔ ۱۹۰۳ء سے پہلے تک یہ ماریشس کی کالونی تھا۔ ۱۹۰۳ء میں آزاد کالونی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ۱۹۷۶ء میں آزاد ہو گیا۔

کمورو:

عنوان: اسلامک ری پبلک آف کمورو۔

صدر: احمد عبداللہ۔

صدر مقام: مورونی

آبادی: ۳ لاکھ ۰۰ ہزار

زبان: فرانسیسی اور عربی

صنعت: عطریات اور معمولی زراعت

تاریخ: کومورو پہلے مڈغاسکر کے تحت تھا۔ ۱۹۴۷ء میں الگ ریاست بن گیا۔ ۶ رجولائی ۱۹۷۵ء کو آزاد ہوا۔ کومورو کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ عام لوگ عربی زبان بولتے ہیں۔ یہاں اسلامی تحریک کے قیام کی بڑی ضرورت ہے۔

---

(۴)

اسمرا سے خط یہ خط میں آپ کو اسمرا سے لکھ رہا ہوں۔ یہاں آنے کا کوئی پروگرام نہ تھا، مگر حسن اتفاق سے بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے یہاں آنا پڑا۔ دراصل میں دارالسلام (تنزانیہ) سے ادیس ابابا جارہا تھا اور ایک دن اور ایک رات قیام کرنے کے بعد مجھے وہاں سے براستہ قاہرہ کویت جانا تھا۔ جب دارالسلام سے جہاز روانہ ہونے لگا تو اعلان کیا گیا کہ حبشہ کا ایرپورٹ ادیس ابابا زیر مرمت ہے، اس لیے جہاز اسمرا میں اُترے گا اور وہاں سے قاہرہ جائے گا۔ یوں مجھے اسمرا میں ڈیڑھ دن اور ایک رات بسر کرنے کا موقع مل گیا۔ پہلی مرتبہ میں اسمرا آیا ہوں، ادیس ابابا تو میں ۱۹۷۶ء میں خوب دیکھ چکا ہوں۔ عام حالات میں باہر کے لوگوں کو اسمرا آنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ بس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ایسا انتظام ہوگیا کہ جس جگہ آنے کی مدت سے خواہش تھی وہ غیر متوقع طور پر یکایک پوری ہوگئی۔

اسمرا اریٹیریا کا صدر مقام ہے۔ اس وقت حبشہ کی اشتراکی اور عیسائی حکومت نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے۔ تاریخ میں یہاں ہمیشہ آزاد مسلم حکومت قائم رہی ہے مگر نصف صدی سے یہ علاقہ پہلے اٹلی کے زیر تسلط رہا اور پھر یو این او کی زیر نگرانی رہنے کے بعد آخر کار ایک

سازش کے تحت ہیلا سلاسی کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اب ہیلا سلاسی تو نہیں رہا، اس کی جگہ حبشہ کی فوج قابض ہے، مگر یہ فوج بھی ایک طرف صلیبی روح سے لبریز ہے اور دوسری طرف اشتراکیت کا دم بھی بھرتی ہے۔ مسلمان مجاہدین پہلے بھی آزادی کی جدوجہد میں بہت قربانیاں دے چکے ہیں اور اب بھی بار بار اٹھ کر نئی استعماری دیوار سے سر پھوڑنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

اسمرا کوئی بڑا شہر نہیں ہے۔ اس کی سڑکیں بڑی کشادہ ہیں۔ قدیم عمارات بھی کافی ہیں اور جدید عمارات بھی۔ قدیم عمارات میں مسلمان سلاطین کے مکانات، مساجد اور چھوٹے چھوٹے قلعے بھی ہیں۔ اسی طرح یہاں ایک قدیم گرجا بھی موجود ہے، جسے نجاشی کے دور سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس گرجا کی عمارت بڑی پُرشکوہ ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ قدیم گرجا کی جگہ پر ایک نیا گرجا تعمیر کیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ عمارت کا فنِ تعمیر اطالوی دور سے ملتا جلتا ہے۔ خاکسار اسمرا کی سب سے بڑی مسجد گیا۔ مگر اب چند سال خوردہ بوڑھوں کے سوا ادھر کوئی رخ نہیں کرتا۔ اس کی وجہ لوگوں کی مسجدوں سے بے تعلقی نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں پر عیسائی اشتراکی حکومت کا شدید دباؤ ہے۔ اسمرا سے کچھ فاصلے پر زیلع کا مقام بڑی تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ کے مصنف امام زیلعی اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ اس علاقے کی علمِ دین میں خدمات سمرقند اور بخارا سے کم نہیں ہیں۔

اسمرا کا موسم آج کل بہت اچھا ہے۔ دن کو معمولی خنکی اور رات کو قدرے سردی محسوس ہوتی ہے۔ خاکسار نے اسمرا کے تمام نمایاں بازاروں کا گشت کیا۔ بہت کم لوگ بازاروں میں دکھائی دیئے۔ بڑے بڑے کشادہ بازار اور کشادہ دکانیں، مگر گاہکوں کی قلت اور سُونی سُونی دنیا۔ خاکسار نے پہلے یہ خیال کیا کہ شہر کی آبادی کم ہے، باہر کے لوگوں کا بھی یہاں بہت کم گزر ہوتا ہے، اس لیے یہ ایک مقامی سرگرمیوں پر مشتمل محدود سی دنیا ہے۔ میرا یہ خیال بعد میں غلط ثابت ہوا۔

ہنگامی حالات کے اثرات یہ شہر دراصل ایک ہنگامی حالت میں جی رہا ہے۔ سڑکوں کے

اریٹریا اور علی الخصوص چوکوں کے اندر فوج مورچے کھود کر بیٹھی ہوئی ہے۔ کوئی ایسی سرکاری عمارت نہیں ہے، جہاں فوج ہتھیار لے کر نہ بیٹھی ہو، بلکہ بعض اہم عمارات اور اہم چوراہوں پر تو چھوٹی توپیں بھی نصب ہیں۔ ہر وقت فوجی پیدل اور جیپوں میں اِدھر سے اُدھر گشت کرتے رہتے ہیں۔ تمام سرکاری دفاتر، ہوٹلوں اور بنکوں میں داخل ہوتے ہر وقت آدمی کی تلاشی لی جاتی ہے۔

ہم جس ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے ہیں، اُس کا نام ایمبیسڈر ہے۔ اچھا ہوٹل ہے، مگر ہوٹل کے دروازے پر چند حبشی فوجی بیٹھے ہیں جو ہر اُس شخص کی جو ہوٹل کے اندر داخل ہونا چاہتا ہو، ہاتھ اٹھا کر تلاشی لیتے ہیں۔ سوائے اُن لوگوں کے جن کے پاس حکومت کے جاری کردہ پاس ہوں، تلاشی سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ خاکسار اپنے پاکستانی لباس میں بازاروں کے اندر جب گھومتا پھرتا تھا تو چلتے پھرتے فوجی گھور گھور کر دیکھتے تھے، لیکن اجنبی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے تھے۔

مسلمان گھروں میں فوجی مداخلت میں ایک چھوٹے سے محلے سے گزر رہا تھا۔ یکایک چند فوجی آئے اور انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک معمر انسان نکلا اور اُس نے دروازہ کھولا۔ چنانچہ یہ فوجی کوئی بات کہے بغیر اندر گھس گئے۔ اس واقعہ کا ذکر میں نے احمد ابراہیم نامی ایڈیٹر سے کیا، جس کا مجھ سے راستے میں چلتے ہوئے تعارف ہوا، وہ کہنے لگا یہ محلہ مسلمانوں کا ہے اور فوج کی یہ چیرہ دستی مسلسل جاری ہے۔ جب کسی گھر میں کوئی فوجی گھسنا چاہے گھس جاتا ہے اور شک و شبہ کی بنیاد پر لوگوں کی تلاشی لینے کے بہانے جو کرنا چاہے کر لیتا ہے۔

مسلمانوں کا تشخص قائم ہے دن کو بھی لوگ خوفزدہ اور سہمے سہمے نظر آئے اور رات ہوئی تو اعلان کر دیا گیا کہ رات کے دس بجے کے بعد کوئی شخص باہر نہ نکلے، کیونکہ شہر میں کرفیو نافذ ہے۔ دن کے وقت سڑکوں پر اسکولوں اور کالجوں کے لڑکے اور لڑکیاں ہاتھ میں کتابیں لیے نظر آئے۔ اسمرا میں تعلیم مخلوط ہے اور اب حکمرانوں کی طرف سے لڑکے اور لڑکیوں کے باہم اختلاط کے مسلسل پروگرام رکھے جاتے ہیں۔ تبدیلیٔ حالات کے باوجود میں نے اسمرا کی

مسلمان دوشیزاؤں کو بڑے وقار اور ساتر لباس میں دیکھا ہے۔ مسلمان لڑکیاں اپنی روایاتی چادر اوڑھتی اور سر کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں، عیسائی لڑکیاں اسکرٹ پہنتی ہیں مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھتے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ ان کے چہروں پہ کبیدگی، خوف اور حالات سے بیزاری کی علامات صاف نمایاں نظر آتی ہیں، ان کے مقابلے میں عیسائی آبادی (جو اگرچہ بہت کم ہے) اپنی نسبتاً مالی خوشحالی کی غمازی کرتی ہے۔

امہری، عربی اور ہیلتھ سرٹیفکیٹ

یہاں کی عام زبان تو امہری ہے، مگر عربی کا بھی بڑا رواج ہے۔ مجھے راہ چلتے کئی لوگوں نے سلام کیا اور پھر عربی میں خیریت دریافت کی۔ یہاں کی عربی صومالی اور سوڈانی لہجوں سے ملتی جلتی ہے۔ ایک ہفت روزہ اخبار العلم بھی عربی میں نکلتا ہے۔ اس کا ایڈیٹر کوئی عیسائی ہے، اس لیے اس میں مضامین اور خبریں بھی یا تو عیسائیوں سے متعلق ہیں اور یا حکومت کی اشتراکیت نواز پالیسی کی ترجمان۔ بہرحال مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ہوٹل میں میرے افریقی ساتھی تو مقامی زبان نہ جاننے کی وجہ سے کچھ تنگی محسوس کرتے رہے اور خاکسار سوڈانی لہجے کی عربی بول کر ہر جگہ اپنا کام نکالتا رہا۔ ہوٹل، بازار، ایرپورٹ جہاں بھی مجھے کسی سے واسطہ پڑا، میں عربی بول کر کام چلاتا رہا، بلکہ جب کوئی مسلمان ایریٹیرین میرا اسلامی نام سنتا تو بڑی محبت اور توجہ سے لپک کر میرا کام کرتا۔ اسمرا ایرپورٹ پر اترتے ہی مجھے ایک مسئلہ پیش آگیا۔ میرے پاس ہیلتھ سرٹیفکیٹ نہیں تھا اور یہاں ییلو فیور (زرد بخار جو مشرقی اور جنوبی افریقہ کے اندر پھیلا ہوا ہے اور جو ادھر آئے اُسے اُس کا انجکشن لگوانا ضروری ہوتا ہے) کے انجکشن کا سرٹیفکیٹ دکھانا ضروری تھا۔ میرے جن ساتھیوں کے پاس یہ سرٹیفکیٹ نہ تھا، انہیں ایک طرف کر دیا گیا اور مجھے متعلقہ افسر نے اہلاً وسہلاً کہا اور آگے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ اُسے اجر نیک عطا فرمائے۔ مسلمان اریٹیرین کا پاکستانی مسلمان بھائی کے ساتھ یہ حسنِ سلوک اور حسنِ تعاون مجھے ہر جگہ محسوس ہوا۔

عیسائی اور مسلمان

یہ کرسمس کے دن ہیں اور حکومت اور عیسائی عوام اس میں خاصے مگن ہیں۔ قدیم گرجاہوں یا جدید گرجا (جن کی اب اسمرا میں بھرمار کر دی گئی ہے) ان کے باہر مفلوک الحال

بچے اور بچیوں کے جھمگٹے ہیں۔ ان گرجاؤں میں روٹی کے چند ٹکڑے تقسیم ہوتے ہیں، ان کو حاصل کرنے کی خاطر یہ بچے ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ یہاں غربت بڑی نظر آئی، علی الخصوص مسلمان آبادی جو اپنے چہروں سے پہچانی جاتی ہے غربت کا بُری طرح شکار نظر آتی ہے۔ اس سب کے باوجود میں نے کسی مسلمان کو گداگری کرتے نہیں دیکھا۔

اسمرا میں اسلامی رجحانات اسمرا کی اکثریت مسلمان ہے، لیکن اسمرا کی بڑی بڑی عمارات حکومت کے قبضے میں ہیں یا بہ حبشی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہیں۔ مسلمان محنتوں کی حالت بہت خستہ ہے۔ اور جب تک اری ٹیریا آزاد نہیں ہو جاتا یہ خستگی دُور نہیں ہوسکتی۔ مسجد کے ایک شیخ سے جس کا نام واضح کرنا مناسب نہیں ہے، خاکسار کو یہ معلوم ہوا کہ اسمرا کے مسلمان موجودہ حالات سے سخت بیزار ہیں۔ اور باوجودیکہ انہیں حریت پسندوں سے تعاون کے الزام میں دبایا جاتا ہے، مگر وہ آزادی کی خواہش سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے امہری زبان میں آج کا اخبار مجھے دکھایا۔ اُس میں ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ایک امام مسجد کی تصویر ہے۔ اسے ایک سرکاری اجتماع میں جسے عید میلاد النبیؐ کا نام دیا گیا ہے ابزور تقریر کے لیے بلایا گیا ہے۔ تصویر میں جتنے حاضرین نظر آ رہے ہیں، یہ سب سرکاری ملازم ہیں۔

عیسائیت اور کمیونزم اسمرا ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ بین روڈ پر واقع ہے۔ ساتھ ہی ایتھوپین چرچ ہے۔ ملحقہ دوکانوں میں بعض کتابوں کی دکانیں ہیں۔ خاکسار ذوقِ کتب بینی کے تحت ان مکتبوں کی طرف نکل گیا۔ ایک نظر ڈالنے پر معلوم ہوا کہ زیادہ تر کتب امہری زبان میں ہیں جس کے حروف کی شکل سنسکرت کے حروف سے ملتی ہے۔ یہ رسم الخط دَورِ استعمار کی ایجاد ہے۔ اصل رسم الخط عربی تھا۔ کتابوں میں مختصر سا ذخیرہ انگریزی میں بھی تھا۔ امہری کتابوں کے ٹائیٹل پر بنی ہوئی تصاویر سے معلوم ہوتا تھا کہ زیادہ تر کتابیں دو مضامین پر مشتمل ہیں: ایک عیسائیت کا پرچار اور صلیب کی نقش بندی اور دوسرے کمیونزم کا لٹریچر، جس کا اندازہ کمیونسٹ لیڈروں کی تصاویر اور ہتھوڑی اور درانتی کی تصویروں سے ہوا۔ کمیونزم کی اشاعت خوب زور و شور سے ہو رہی ہے۔ ہم جس ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے ہیں اُس میں بھی شمالی کوریا کے لوگ کثرت سے ٹھیرے ہوئے ہیں، بلکہ ایتھوپیا ایرلائن نے ہمارے لیے پہلے جو ہوٹل تجویز

کیا تھا اُس میں ہمیں جگہ نہ مل سکی، کیونکہ وہ کوڑین سے بھرا ہوا تھا۔ اسمرا سے متصل ہی ارتیریا کی بحری بندرگاہ مصوّع ہے، وہاں بھی سُنا ہے اشتراکی ممالک سے آنے والے ماہرین کی خاصی بھیڑ ہے۔

حریت پسند مذکورہ بالا شیخ سے یہ معلوم ہوا کہ شہر کے اردگرد پہاڑوں میں اور علی الخصوص علاوہ کے مقام پر حریت پسند جمع ہوتے رہتے ہیں اور سرکاری فوجوں کے کیمپوں پر حملے کرتے رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی طاقت کا کیا حال ہے، اُس نے بتایا مسلمان کے پاس سب سے بڑی طاقت اللہ پر ایمان اور بھروسہ ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ حریت پسندوں کے اندر اتحاد نہیں ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ حریت پسندوں کے اندر ترقی پسندوں اور بائیں بازو والوں کا جو عنصر تھا، وہ اب اپنا کھیل ختم کر چکا ہے اور وہی عنصر آج تک حریت پسندوں کی قیادت پر چھایا ہوا تھا۔ اب نئی قیادت جنم لے رہی ہے جو اگرچہ بائیں بازو سے تعلق نہیں رکھتی، لیکن اُسے مجاہدین کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ابھی وقت درکار ہے۔ شیخ نے یہ بھی حیرت انگیز انکشاف کیا کہ حریت پسندوں میں بعض عیسائی بھی ہیں، جو موجودہ اشتراکی حکومت کے خلاف ہیں۔

کثرتِ بادہ و جام اسمرا شہر کا ایک اور پہلو دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ یہ شہر دراصل "اسلامی شہر" ہے، لیکن یہاں پر ہر چند قدم کے بعد آپ کو ایک شراب خانہ ملے گا۔ شراب خانے کے دروازے پر ایک لڑکی کھڑی ہوگی جو شراب نوشی کی دعوت دے رہی ہوگی۔ البتہ مختصر قیام کے دوران میرا مشاہدہ یہ ہے کہ بازاروں میں چلتے پھرتے جب کسی شراب خانے کے پاس سے میرا گذر ہوا اُسے اُجڑا ہوا پایا۔ ایک ۲۰ سالہ طالب علم کے بقول جو ہاتھ میں کتابیں لیے جا رہا تھا اور مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا: "انت مسلم۔ انت باکستانی"۔ میں نے ہاں میں جواب دیا اور پھر میں نے اُسے چھوٹتے ہی یہ پوچھا کہ یہاں "بارات" (بار کی جمع) بہت ہیں۔ کیا نوجوان کثرت سے بار کا رُخ کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگا: "شراب حرام ہے —— مسلمان ہرگز شراب نہیں پیتے۔ شراب پینے والے عیسائی ہیں یا خدا سے خوف نہ کھانے والا مسلمان"۔ میں نے دوبارہ کہا کہ آپ کے شہر کی مسجدوں کے اندر بھی نوجوان نمازی نہیں ملے۔

اُس نے جواب دیا: "جو نوجوان مسجدوں کا رُخ کرتے ہیں انہیں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔" جب وہ یہ بات کہہ رہا تھا تو فوراً اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید اُسے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کوئی ناہنجار اُس کی بات نہ سن پایا ہو۔

۲۲ دسمبر ۱۹۶۳ء کو میں اسمرا کو الوداع کہہ رہا تھا۔ اس شہر کی اُداس سڑکیں، یہاں کے مسلمانوں کے اُجڑے ہوئے چہرے، مگر یہاں کے پام کے درخت اور بیگان ویلی کی ہر طرف چھائی ہوئی پھولدار بیلیں دل پر شدید اثر کر رہی تھیں۔ اس شہر کی خاموشی موت کا سناٹا نہیں ہے، بلکہ کسی بڑے طوفان کی آمد کی علامت ہے۔ یہ شہر تاریخ کے ہر دور میں مجاہدین کی کچھار رہا ہے اور اب بھی اس میں فوج کے گشت، جگہ جگہ خندقیں اور مورچے، ہر موڑ پر نصب توپیں اور ہر درخت کے نیچے کھڑی ہوئی فوجی جیپ اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ یہ شہر اپنے ذوقِ جہاد سے محروم نہیں ہوا۔ متنبی کا یہ شعر زبان پر تھا اور گاڑی اسمرا ایرپورٹ کی طرف جا رہی تھی۔

لک یا منازل فی القلوب منازلُ
اقفرتِ انت وھن منک اواھلُ

(باقی)

نوٹ: اگرچہ اس سلسلے کے کچھ ابتدائی خطوط دوسری جگہ چھپ چکے ہیں، مگر ایسے خطوط بھی آگے آئیں گے جو کہیں شائع نہیں ہوئے۔

(ادارہ)

احتیاط

ترجمان القرآن بہ ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پہ آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)